اشاعتِ نو

سرِ شہرِ سنگ بدست

(شعری مجموعہ)

ونسینٹ پیس عصیمؔ صلیبی

ای کتاب

(طباعت واشاعتِ نَو بطورِ خراجِ تحسین)

"سرِ شہرِ سنگ بدست"

شاعر:

ونسینٹ پیس عصیم صلیبی

پیشکار:

فاختہ ای پبلیکیشنز، کراچی پاکستان

سرِشہر
سنگ بدست

عصیم

جُملہ حقوق بحقِ مصنّف محفُوظ

باراوّل	:	فروری ۱۹۸۲ء
تعداد	:	۵۰۰
ناشر	:	برادرز بپٹسٹ کرُوس
پرنٹر	:	انجم پریس، فیصل آباد
قیمت	:	مبلغ ۵۰۰ روپے ($5)
اشاعتِ نَو (ای کتاب)	:	اگست ۲۰۲۵ء
ناشرای کتاب	:	فاختہ ای پبلیکیشنز، کراچی پاکستان

کتاب کی قیمت براہِ راست ونسینٹ صاحب کے اکاؤنٹ میں بھیجیۓ:

Vincent Bannet Pace

Bank: Bank Al Habib Ltd.

IBAN: Pk98 BAHL 0248 0047 0104 4850

Account Number: 02480047010448500

Phone Number: +923349823359

انتساب

برادر بپٹسٹ کرُوس کے نام

جو

اُردو زبان کے دلدادہ ہیں

سجا کے مرمریں پتّھر سے آشیانوں کو
خُود اپنے دستِ لہو رنگ کو چھُپاتے ہیں
اُٹھائے ہاتھ میں پتّھر وہی فقیہہِ شہر
ہر ایک عُریاں بدی شہر سے مٹاتے ہیں

-تُم میں سے پہلا پتّھر وہ مارے جس نے گُناہ نہیں کیا۔ یسُوع مسیح

حُسنِ ترتیب

حرفِ اوّل.................................پروفیسر منظر مفتی ۱۰

مجھے کچھ کہنا ہے.............................برادر بپٹسٹ کرُوس ۱۳

کُچھ اپنی زباں میں..............................ونسینٹ پیس عصیمؔ ۱۶

سنگِ حیات

۱	عبارتِ حیات	۲۱
۲	غم خوار	۲۳
۳	نیا آدم	۲۵
۴	روشن ستارہ	۲۸
۵	پتھّروں کے دیس میں	۳۰
۶	بھید تیرے پیار کا	۳۳
۷	صَدائے جرس	۳۶
۸	آمدِ ثانی	۳۸

Rekhta

٩ قطعات ۴۱

سنگِ تعمیر

١٠ امن کا گیت ۴۵
١١ سال کے آغاز پر ۴۷
١٢ وطن کا گیت ۴٩
١٣ ہمّت نہ ہارو ۵٢
١۴ آزادی ۵۵

سنگِ راہ

١۵ فنکار ٦٠
١٦ رنگ اور انگ ٦٣
١٧ کون ہے یہ؟ ٦۵
١٨ آس ٦٨
١٩ گیت ٧٠
٢٠ انتظار ٧١
٢١ یاد ہے تُجھ کو ٧٣
٢٢ مَیں پاگل پاگل متوالا ٧۵
٢٣ گیلی ریت ٧٧

۲۴	اَجیہا رُکھ	۸۰
۲۵	خزاں	۸۳
۲۶	ساون	۸۳

سنگِ جاناں

۲۷	چراغِ زیست بُجھا مختصر فسانہ ہُوا	۸۶
۲۸	سرِ بزم اگر وہ آئے بڑا انقلاب ہوگا	۸۸
۲۹	سجدۂ شوق تھا پہنچے جو صنم خانے تک	۹۰
۳۰	چُپ چاپ اُٹھ کے بزم سے وہ قصّہ خواں گئے	۹۲
۳۱	حدِّ نگاہ بحرِ تلاطم بصر جہاں	۹۴
۳۲	بُلا لیا بھی کسی نے اگر تو جا نہ سکے	۹۵
۳۳	پائی ہے وہ نظر جو غلط آشنا نہیں	۹۹
۳۴	ہوا احتسابِ سوزِ دروں کچھ عجب نہیں	۱۰۲
۳۵	مَر کے جِس نے بھی زندگی پائی	۱۰۵
۳۶	چِڑتے ہیں وہ بھی ذِکر سے دَیروں کے آجکل	۱۰۷
۳۷	گو گھڑی یہ کٹھن گذاری ہے	۱۰۹
۳۸	وائے حسرت کہ چمکتا ہُوا سورج ڈوبے	۱۱۱
۳۹	ندی ہے سُوکھی بھرے پیار سے گگر کوئی	۱۱۲
۴۰	قطعات	۱۱۴

حرفِ اوّل

''سرِ شہرِ سنگ بدست'' جناب عصیمؔ کی شعری کاوشوں کا نقش اوّل ہے۔ عصیمؔ صاحب درس وتدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ برسوں سے اُردو کی تدریس کا کام بخوبی سر انجام دے رہے ہیں۔ مقامی مشاعروں، اخباروں اور رسالوں میں اُن کا کلام اکثر چھپتا رہتا ہے۔ اُنہیں اُردو ادب سے گہرا لگاؤ ہے اور یہی چیز اُن کے لئے شعر گوئی کا وسیلہ بنی ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب نظموں، گیتوں اور غزلوں پر مشتمل ہے۔ اُنہیں اپنے وطن اور مذہب سے جہاں بے حد عقیدت اور محبّت ہے وہاں نونہالانِ قوم سے بھی بے حد اُنس ہے۔ یہ محبت اور عقیدت کے جذبات اُن کے کلام میں جا بجا ملتے ہیں۔ اُنکا طرزِ شعر گوئی روایت سے پُوری طرح مِلا ہوا ہے۔ ہر چند اُن کی نظموں میں جدید آزاد نظم کی جھلک موجود ہے مگر

اُس پر بھی روایت کی گہری چھاپ موجود ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں یہ صورت اِس باعث ہے کہ اُنہوں نے ایک اُستاد ہونے کی حیثیت سے قلم سے جو اپنا شعوری یا لاشعوری رابطہ قائم کر رکھا ہے اُس نے اُنہیں جدیدیت سے دُور رکھا ہے اور یہی اُن کی نظموں اور گیتوں کی شناخت ہے۔ اور یہی اُن کا اپنا رنگ اپنا مزاج اور فکری اثاثہ ہے جس میں روانی اور مضمون آفرینی دونوں موجود ہیں۔ اُنہوں نے اپنی مذہبی روایات اور تعلیمی آہنگ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بہت سے ایسے استعارے اور تشبیہیں تراشے ہیں جنکو اُنکے تعلیمی اور مذہبی روایات کے حوالے بغیر سمجھنا قدرے دشوار ہو گا مگر اُن روایات سے واقفیت کے (mood) وہ نظمیں اور اُن میں سلیقے سے برتے گئے تشبیہیں اور استعارے قاری کے لئے زیادہ پُرلطف اور پہلو دار ہو گئے ہیں۔ ''نیا آدم''، ''روشن ستارہ'' اور ''عبارتِ حیات'' اِس قِسم کی نظمیں ہیں جنہیں مذہب کے حوالے سے کہا گیا ہے۔ جہاں تک غزل اور قطعہ کا تعلق ہے اُنہوں نے غزل میں خالص روایتی غزل گوئی کو اپنایا ہے۔ شاید اِس باعث کہ اُنہوں نے یہ غزلیں مشاعروں میں شرکت کے شوق سے لکھی ہیں۔ تاہم اُن کا تجربہ، مشاہدہ اور انفرادی رنگ بدستور جھلکتا ہے۔ اور بعض بعض شعر نہایت عمدہ اور رواں دواں ہیں۔

بکھر کے صورتِ شبنم کیا چمن سیراب
یہ اور بات کہ ہم ابر بن کے چھا نہ سکے

اے عصیمؔ احتیاط غنچوں سے
صحنِ گلشن میں سنگباری ہے

محفل سے اُٹھ کے آج وہ ایسے چلا گیا
جیسے کِسی سے اُس کا کوئی واسطہ نہیں

دریچے جھانکنے والوں سے کوئی یہ کہدے
مسافروں کو سفر پہ گئے زمانہ ہوا

عصیمؔ صاحب کی طویل آزاد نظمیں بھی اپنے میں ایک آہنگ اور کیفِ جذبات کو اپنائے ہوئے ہیں اور اُن میں اظہارِ ذات کے لئے جو کوشش کی گئی۔ اِس میں بہت حد تک وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔

؎ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

پروفیسر منظر مفتی

شعبۂ اُردُو۔ گورنمنٹ کالج۔ فیصل آباد

مُجھے کُچھ کہنا ہے

عصیمؔ کا شعری مجموعہ ''سرِ شہرِ سنگ بدست'' شعروسخن کے گلستان میں نیا پھول ہے۔لیکن اِن انمول ہیروں سے متعلق کچھ کہنے سے قبل اِن کے خالق عصیمؔ کی قد آور شخصیت پر چند سطور لکھنا فخر سمجھتا ہوں۔آپ اُردو زبان و ادب سے نہ صرف گہرا شغف رکھتے ہیں بلکہ اِن کو قریب سے سمجھتے ہیں۔بحیثیت اُستاد ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔موسیقی اور ڈراموں کی ترقی و ترویج کے لئے سکول میں آپ کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔ آپ انسان کے رُوپ میں ملتے ہیں تو عام لوگوں کی طرح نقلی چہرے نہیں چڑھاتے بلکہ جو کچھ بھی ہیں کہہ ڈالتے ہیں۔

نئی سوچ، جواں عزم، پاکیزہ جذبات، کیا چیز ہے جو شعروں کی صورت میں اِس کتاب میں موجود نہیں ۔ افکار کی نُدرت اور تشبیہات و استعارات میں جدّت پائی جاتی ہے۔ اگر چہ بعض جگہوں پر روایت سے بغاوت کی ہے لیکن بعض مقامات پر روایت کا دامن اتنی مضبوطی سے تھام لیا ہے کہ احساس ہوتا ہے ہاتھوں کے ٹوٹ جانے کے باوجود دامن نہیں چھوٹے گا۔

عصیمؔ کے موضوعات خالص مذہبی، انسانی اور معاشرتی ہیں مگر آپ نے رومان کو نظر انداز نہیں کیا۔ کیونکہ آپ اسے بھی زندگی کا ضروری عنصر سمجھتے ہیں۔ آپ نے فلسفہ اور منطق کی پیچیدگیوں کا سہارا لئے بغیر سادہ طریقے سے زندگی کے خوشگوار اور ناخوشگوار دونوں پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ انسان اور انسانیت آپ کے خاص موضوع ہیں اور یسوعؑ آپ کا آئیڈیل ہے۔ پاکستان کی سرزمین سے آپ کو کس قدر محبّت ہے اِس کا اندازہ ان کے شعر پڑھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اِس مجموعے کا ہر شعر دِل میں اُتر جانے والا ہے لیکن یہ اقتباس انسان کے ذہن پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے۔

نُور سے اک نئی قندیل کروں گا روشن
اُجڑے صحرا کو بنا دوں گا مہکتا گلشن
ہے نیا عزمِ مسیحائی میرا عزمِ صمیم

توڑ سکتا ہے رواجوں کی بھی زنجیر عصیمؔ
تھام لو ہاتھ میرا، میں ہوں، فرزندِ خُدا، مَیں اک آدم ہوں

نیک تمناؤں کے ساتھ:۔

برادر بپٹسٹ کرُوس
فیصل آباد

کچھ اپنی زبان میں

خود چوراہے پہ کھڑا ہوں۔

برہنہ سر، برہنہ پاؤں۔

پتھروں کا ڈھیر بھی لگا دیا ہے۔

اپنی دانست میں ہر قسم کا پتھر لیا ہے

چکنا، نوکیلا، بھاری، ہلکا، سُرخ، سفید، نیلا

پیلا، سبھی۔

لیکن احمد ندیم قاسمؔی کے پتھر تک

یہ کوتاہ ہاتھ نہیں پہنچتا۔اب یہ ڈھیر

آپ کی امانت ہے۔جو بھی پتھر پسند آئے اُٹھا لیجئے۔

شہرِ سنگ بدست ہے!!

''صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے''

''سرِ شہرِ سنگ بدست'' کے سلسلے میں اُن ہستیوں کا جنہوں نے مجھے اپنی خوبصورت آراء، حوصلہ افزائی، ہدایات و ممانعت، روحانی اور جسمانی بیساکھیوں کی فراہمی اور کچھ کرڈالنے کی جرأت عطا کی اُن کا ذکر نہ کرنا میرے لئے باعثِ ندامت رہے گا۔لہٰذا، فیصل آباد کے مشہور شعراء اور سخنور اصحاب میں سے جناب ڈاکٹر حبیب العیشی کی ہدایات ممانعت، جناب منظر مفتی کی حوصلہ افزائی اور خوبصورت آراء جناب نعمت احمر اور اعجاز ناصر کا بے جا تکلّف، عزت مآب جناب برادر بپٹسٹ کرُوس جو کہ سری لنکا سے ہیں، بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ اُردُو زبان کے دِلدادہ ہیں، کے انمٹ پیار اور رُوحانی اور جسمانی بیساکھیاں عطا کرنے کے لئے اور پھر ایک دُھندلا اور سُرمئی دوست جو نہ جانے کن جزیروں میں روپوش ہو گیا عدیم ہاشمؔی اپنے گہرے نقوش چھوڑ کر احساس میں گداز اور مزید گداز پیدا کر گیا۔

سدا خوش رہیں یہ سب لوگ

اِن سب کے لئے بھی تو پتھر ہیں

پڑھنے کے بعد اپنی رائے اور مشورے سے ضرور نوازیں، ''سرِ شہرِ سنگ بدست''
اُردُو کلام کا مجموعہ ہے جس میں پنجابی نظم ''اجیہا رُکھ'' کو شامل نہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔
لیکن کیا کرتا؟ دِل نہیں مانا۔ باوجود سمجھانے کے۔ گر قبول اُفتد زہے۔۔۔

آپ کے حُسنِ سلوک کا طالب
ونسینٹ پیس عصیمؔ
(ایم اے۔ بی ایڈ)
۴۹۷، جناح کالونی، فیصل آباد

سنگِ حیات

راندۂ درگاہ تھی جب سے ہوئی انسانیت
در بدر مصلوب ہی ہوتی رہی انسانیت
جب نہ تھا انسان انساں، جب نہ تھی انسانیت
آ گئی تثلیث کی صُورت میں تب وحدانیت

عبارتِ حیات

تُو نے اے رُوحِ ازل دُنیا میں کیا کیا دیکھا
ہر طرف گھور اندھیروں کو کشیدہ دیکھا

انہی اندھیاروں میں ترتیب کیا تھی مٹّی کی
خُمر اور خاک کا بکھرا سا نظارہ دیکھا

تیری رنگینیٔ افکار نے پھر مٹّی کو
اپنی تخلیق کی ہر شے سے نرالا دیکھا

دمِ تخلیق شمع پیار کی روشن کر کے
خاک میں نُور کا بہتا ہوا دھارا دیکھا

زندگی خلق ہوئی بھر کے فنا کا بہروپ
تپتے صحراؤں میں گلشن کو سنوارا دیکھا

موت آغوش میں پھر موت کے سونے چلدی
شب کی طوُلانی نے جب پھر سے اُجالا دیکھا

زندگی رقم ہوئی خوُن کے دھارے سے عصیمؔ
خاک کے بُت سے نیا بُت جو نیارا دیکھا

غم خوار

دیکھ کے جن کو چمن زار بھی شرمائے ہیں
دِل کے دروازے تلک اُن کے قدم آئے ہیں

ہے ترے پیار کی معراج یہ ابنِ مریم
دامنِ شب میں سویرے جو اُتر آئے ہیں

رحمتیں جوش میں آئیں جو نوازش بن کر
چاند تارے ہیں کہ آنگن میں اُتر آئے ہیں

تشنگی من کی بجُھی بن گئے گلشن صحرا
بحرِ بے ضبط، محبّت کے اُمڈ آئے ہیں

غمِ عصیاں کو اُٹھانے کا جو یارا نہ رہا
بن کے غم خوار مسیح، آپ چلے آئے ہیں

شبِ تاریک میں اَب کوئی نہیں سہمے گا
روشنی اوڑھے شہنشاہِ نجم آئے ہیں

گھُل گیا کیسا فضاؤں میں ترنّم سا عصیمؔ
کِس کی بارات اندھیروں میں سجا لائے ہیں

نیا آدم

ایک لمحے کو ٹھہر جاؤ سنو انسانو
پُونچھ لو اَشک اِدھر دیکھو مجھے پہچانو
تھام لو ہاتھ مِرا۔ مَیں ہوں فرزندِ خُدا۔ مَیں اِک آدم ہوں نیا

مَیں کہ صدیوں سے جو ظُلمات کی چکّی میں پِسا
مَیں وہ ناسُور ہوں مٹّی کے جو سینے سے رَسا
مَیں کہ جو آگ کی بھٹّی سے پگھل کر نِکلا
مَیں نیا چاند ہوں جو گھور خلاء سے نِکلا
نُقرئی کِرنوں سے دُنیا کو جِلا بخشوں گا
تھام لو ہاتھ مِرا۔ مَیں ہوں فرزندِ خُدا۔ مَیں اِک آدم ہوں نیا

میرے افکار خیالات نے پائی ہے جِلا
مَیں نے تاروں کے شبستانوں کو پامال کیا
میرا خُود کیا ہے سماجوں سے کہیں ہے اعلیٰ
آسمانوں سے مِلا ہے جِسے ارفع رُتبہ
مَیں تو سنگلاخ چٹانوں کو بھی پگھلا دونگا
تھام لو ہاتھ مِرا۔ مَیں ہوں فرزندِ خُدا۔ مَیں اِک آدم ہوں نیا

سُن لو اے کانچ کے محلوں کے مکینوں سُن لو
میری یلغار کو اے حجلہ نشینوں سُن لو
مجُھ کو ماضی کے اصُولوں کا نہ آدم سمجھو
میرے کردار کو میزانِ نظر میں تولو
زَرد چہروں کو میں گُل رنگ بنا ڈالوں گا
تھام لو ہاتھ مِرا۔ مَیں ہوں فرزندِ خُدا۔ مَیں اِک آدم ہوں نیا

صبحِ روشن کا امیں ہے تُو نیا آدم ہے
گھور اندھیاروں میں قندیل نیا آدم ہے
وہ جو اِنسانوں کی تقدیر بدل سکتا ہے
ابنِ مریم کا پرستار نیا آدم ہے
نیا سُورج، نئی مخلوق بنا سکتا ہوں
تھام لو ہاتھ مِرا۔ مَیں ہوں فرزندِ خُدا۔ مَیں اِک آدم ہوں نیا

نُور سے اِک نئی قندیل کروں گا روشن
اُجڑے صحرا کو بنا دُوں گا مہکتا گلشن
ہے نیا عزمِ مسیحائی، مرا عزمِ صمیم
توڑ سکتا ہے رواجوں کی بھی زنجیر عصیمؔ
نئے آدم کی یہ معراج میں دِکھلا دُونگا
تھام لو ہاتھ مِرا۔ مَیں ہوں فرزندِ خُدا۔ مَیں اِک آدم ہوں نیا

روشن ستارہ

شب کدوں میں جب سویروں کا اُجالا ہو گیا
وہ جو بیگانہ سا لگتا تھا وہ اپنا ہو گیا

جھوم اُٹھے ہیں پھول صحرا میں بہاریں آ گئیں
عرش کے ابرِ کرم سے کیا نظاّرہ ہو گیا

سب اندھیرے چھٹ گئے مایوسیاں جاتی رہیں
آج روشن اِس جہاں میں اِک ستارہ ہو گیا

راحتیں بیمار عِصیاں کا مقدّر ہو گئیں
جب حکیم مہر و اُلفت کا اشارہ ہو گیا

چل پڑا ہے آسماں پر روشنی اوڑھے ہوئے
نُورِ یزداں کی طرف رہبر ستارہ ہو گیا

گھُل گئے ہیں گیت سے اِس ناچتے ماحول میں
دُکھ کی دُنیا میں کوئی اَب نغمہ آراء ہو گیا

آ گیا وہ اِس تلاطم خیز دُنیا میں عصیمؔ
بحرِ رنج و غم میں وہ تیرا سہارا ہو گیا

پتھّروں کے دیس میں

پتھّروں کے دیس میں چاروں طرف ماحول پر
ایک ہُو کا عالم اور ستارے
محوِ حیرت تک رہے تھے، یوُں کہ جیسے،
منتظر تھے اُس گھڑی کے جب ہوائیں،
جو کہ کُچھ لمحات پہلے رُک چکی تھیں
گنگناتی اور لہراتی ہوئی، مژدہ نازاں لئے
خوشبوؤں کے دیس سے ہوتی ہوئیں
چل پڑیں
پر، نہ جانے اُن ہواؤں نے بھی دم سادھا تھا کیوں؟

شاید اِن ٹھنڈی، سُبک رفتار
مستانی ہواؤں نے سُنی ہو،
دُور پورب دیس سے آتے ہوئے،
اجنبی سے قافلے میں گھنٹیوں کی اِک صدا
ایسی پُراسرار خاموشی میں، جبکہ
رات کے اُس وقت میں
کچھ گڈریئے، اپنے گلوں کی حفاظت کے لئے
پتّھروں کے دیس میں
تھے بیاباں میں وہ محوِ گفتگو
یک بیک سب چونک اُٹھے جبکہ
کب سے منتظر، تاروں نے آنکھیں موندلیں۔
اَور، ہر جانب عجب اِک روشنی سی چھا گئی
اور فضا میں گیت سے کُچھ گھل گئے
آسمانی لشکروں کے گیت گانے کی صدا میں
چیخ کی آواز اُٹھ کر دب گئی، جو کہ
اُن، پتّھر کے ٹیلوں سے پرے

کرب میں ڈوبی ہوئی تھی، ایسے
جیسے روشنی کے خوف سے
اندھی دُنیا کے مکیں
اور ترنّم ریز اس ماحول میں
دامنِ مشرق سے اِک تاباں ستارا
یوں خراماں، اِک طرف کو چل پڑا
جیسے وہ کچھ دیر پہلے
روشنی کے دیس سے
صبحِ تاباں کا لباسِ فاخرانہ اوڑھ کر
چل پڑا ہو
ایسی منزل کا پتہ دینے کو جو
مِل سکی نہ محوِ حیرت، منتظر،
اُن تکتے تاروں کو کبھی، اور
اِس ماحول کے، گم گشتہ،
چلتے کارواں میں آنے والوں کو کبھی
اور پھر اِس ناچتے ماحول میں

آسمانی عید کے تہوار پر،
فلک کے چند باسیوں نے،
پتھّروں کے دیس میں
اُن گڈریوں کو، یہ اِک مژدہ دیا
شاہِ عالم، مالکِ عرشِ بریں نے
عرش سے آکر بسیرا، چند تنکوں سے ڈھکی
اِک چھوٹی چرنی میں کیا
اور اب وہ آ گیا تھا
پتھّروں کے دیس میں
تا کہ اُس معصوم کو، جو کہ چیخا تھا ابھی
کچھُ دیر پہلے، دُور
اِن پتھر کے ٹیلوں سے پرے
ابدیت کا، چین دے، آرام دے
پتھّروں کے دیس میں

بھید تیرے پیار کا

رقص کرتی مدھرتا میں گیت سے بِکھرے ہیں آج
ہر طرف صحنِ چمن میں پھُول کھِل اُٹھے ہیں آج

نُور سے معمُور نِکلا آسماں کی اوٹ سے
صبحِ تاباں کا ستارہ روشنی کو اوڑھ کے

چل پڑا لے کر مسرّت کے سبھی کیف و سرُور
اپنے ماتھے پر سجا کے سب ستاروں کا غرُور

چل پڑا اِک سمت ربِّ لم یزل کا یُوں سفیر
حُسن کی چادر لپیٹے شمس کی جیسے نظیر

ایسا نِکھرا چاندنی میں جوت جیسے پڑ گئی
سندرتا کی مانگ جیسے موتیوں سے بھر گئی

ہے ستارہ عرش کے سب باسیوں کا بام پر
رحمتِ یزداں سے یسُوّع ناصری کے نام پر

چل پڑے اُس کے جلو میں سُن کے اِک سندیش تب
کچھ مجُوسی دیکھنے وحدانیت کا بھید سب

راندۂ درگاہ تھی جب سے ہوئی انسانیت
دَر بدر مصلوب ہی ہوتی رہی انسانیت

جب نہ تھا اِنسان اِنساں ، جب نہ تھی انسانیت
آ گئی تثلیث کی صُورت میں تب وحدانیت

کٹ گئے رنج و غم و آلام کے سارے فسُوں
نسلِ آدم کو مِلا ہے رحمتِ حق سے سکوُں

مٹ گئے لوحِ جہاں سے نقشِ اعمالِ زبوں
ہو گیا ابلیس کی ساری تمنّاؤں کا خُوں

آ گئی اُجڑے چمن میں ہر طرف پھر سے بہار
جگمگا اُٹھے نشیمن ، دھُل گیا سارا غبار

کیف و مستی چھا گئی پھُولوں پہ آیا ہے نکھار
ڈالی ڈالی جھوم اُٹھی ہے دیکھ کر یزداں کا پیار

صَدائے جرس

مسیحی نوجواں تُو کلیسا کی جان ہے
گھر کی سُندرتا کا ایک تُو ہی پاسبان ہے

قوم کی تُو آبرو ہے گھر کا تُو سکون ہے
راحتوں کی آرزُو ہے قوم کا ستون ہے
ماں کا آسرا ہے اور باپ کا تُو مان ہے
مسیحی نوجواں تُو کلیسا کی جان ہے

تابعداری فرض ہے مسیح کا ایک درس ہے
قافلۂ زندگی کی تُو صدائے جرس ہے
آسماں کی وسعتوں کا تو وسیع بیان ہے
مسیحی نوجوان تُو کلیسا کی جان ہے

بہن حیا دار ہو بھائی کا وقار ہو
چاندنی سنگھار ہو پاکیزگی معیار ہو
بیمثال گھر ہو تیرا تب ہی تیری شان ہے
مسیحی نوجوان تُو کلیسا کی جان ہے

قوم تیری سو گئی غفلتوں میں کھو گئی
چھوڑ کر مسیح کو یہ کِس کی آج ہو گئی
دیکھ تند و تیز تیرے سامنے طوفان ہے
مسیحی نوجوان تو کلیسا کی جان ہے

آمدِ ثانی

وا ہے چشمِ دِل، اگر، تو طالبِ دیدار ہو
آمدِ سلطاں ہے غافل نیند سے بیدار ہو

دھُول چھا جاتی ہے کڑیل دھوپ کے سیلاب میں
رُوح کا سُندر بدن جب جان سے بیزار ہو

آگ سی بھڑکے گی اور سارے فسُوں جل جائیں گے
دِل اگر شہرِ غزل میں شعلۂ انوار ہو

کر بھروسہ ابنِ مریم پر ہے اگر تو ناتواں
نُدرتِ ایماں سے تازہ دم تِرا کردار ہو

ٹُوٹ جاتے ہیں یقیناً سب غلامانہ فسُوں
رُوحِ عیسیٰ سے دِلِ پُرنفس گر بیدار ہو

رُوح کی تلوار تیرے ہاتھ کا گہنا بنے
رُو برُو تیرے خجل ناکامیٔ اغیار ہو

بہا جو خُون کا دھارا حیات بن بن کر
مٹا کے رکھ دیں سیاہ بختیوں کی تحریریں
طلوعِ قوّتِ ایمانِ ابنِ مریم سے
چھنک کے ٹُوٹ گِریں ظلمتوں کی زنجیریں

عرش پر جوشِ مَحبّت نے دکھایا وہ جنُوں
فرش کے ماتھے پہ لکھّے جُرم سارے دھُل گئے
راستے جو بند تھے، مسدود تھے میرے لئے
آنِ واحد میں مسیحا کے کرم سے کھُل گئے

مسیح منزلِ یقیں
مسیح رہبرِ عظیم
مسیح بھید پیار کا
صلیب راستہ سلیم

کر کے پیاسا تجُھے سینہ ٹھنڈا کیا
سخت عدُو کر گئے دَار کو اے مسیح
پتھّروں کے یہ انساں نہیں جانتے
تیری بخشش ، تیرے پیار کو اے مسیح

موجِ مُضطر کو سہارا اَور ہے
زندگی کا ایک دھارا اَور ہے
نااُمیدی میں نہ ہو ماتم کناں
''آسماں پر ایک تارا اَور ہے''

سنگِ تعمیر

ایک بِکھرا خواب سِمٹا اور حقیقت بن گیا
دُھند میں لِپٹے ہیولے روشنی لانے لگے
اپنا تو صحرا بھی نخلستان سے کُچھ کم نہیں
ریت کے ٹِیلے تھے جو کوہسار کہلانے لگے

امن کا گیت

کھیلیں آنکھ مچولی چاہے کھیلیں گھوڑا ہاتھی
بنیں گے ہم تو ہر دُکھ سُکھ میں اِک دُوجے کے ساتھی

آؤ ساتھی دُنیا کو ہم امن کا گیت سُنائیں
اِک دُوجے کا ہاتھ پکڑ کر جھومتے گاتے جائیں

پُورب ، پچّھم ، اُتّر، دکھّن رہتے ہیں انسان
کہیں بھی ہوں یہ خاک کے پُتلے دو دن کے مہمان

ہم بھی انساں وہ بھی انساں دُنیا جن پہ بھاری
آؤ ڈھا دیں نفرت کی دیواریں باری باری

خود غرضی اور پاپ کے سانپ کو اَبدی نیند سُلا دیں
کھائیاں اور خلیجیں آؤ مِل کر بھرتے جائیں

دُکھیاروں کے دُکھ بانٹیں ہم پاکستانی بچّے
اَمن کی وادی کے رکھوالے قول و عمل کے سچّے

پیار عصیمؔ بڑھے پھولے گا پیار کے گیت سُنائیں
اَمن کی اُمیدوں سے جھِلمل کرتے دیپ جلائیں

"سال کے آغاز پر"

ہوں امینِ موسمِ گُل نونہالانِ وطن
خوشبوئے تعلیم سے مہکیں سدا سر و سمن

عِلم ہی ہے باعثِ صد افتخار و انبساط
سرپرستی علم و فن کے گلستاں کی ہے نشاط

ہے دُعا یہ سال ہو سرچشمۂ اہلِ کمال
آشنا ہوں خالقِ کون و مکاں سے نونہال

امن کی بنسی بجے اور راحتوں کا ساز ہو
ہے تمنّا ہر کلی اِس گلستاں کا ناز ہو

دے الٰہی دولتِ بیدار ہر اِک فرد کو
تاکہ پہچانیں سبھی اِک دُوسرے کے دَرد کو

فیصل آباد اہلِ علم و اہلِ فن کا اِک بحر
لائقِ صد آفرین و صد مبارک یہ شہر

یہ تمنّا ہے عصیمؔ اِس سال کے آغاز پر
رُوح کی پاکیزگی ہو سُندرتا کے ساز پر

وطن کا گیت

پاکستان ہے دیس ہمارا ہم اِس کے معمار
فرض کی ہم تکمیل کریں گے محنت کاروبار
فکر و نظر کے دامن کو ہم دولتِ فن سے بھر دیں
آؤ مِل کر نُورِ عِلم سے ہر دِل روشن کر دیں
عِلم کا دریا بہتا جائے تیز ہو اِسکی دھار
پاکستان ہے دیس ہمارا ہم اِس کے معمار

اِتّحاد، تنظیم و یقیں کی شمعیں روشن کر دیں
پاکستان کی مانگ میں آؤ چاند ستارے بھر دیں
روشن کر دیں اِس کی گلیاں چمکا دیں بازار
پاکستان ہے دیس ہمارا ہم اِس کے معمار

اپنا مسلک دیپ جلانا دیپ سے دیپ جلائیں
اِک دُوجے کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے جائیں
آؤ ساتھی بانٹ لیں مِل کر اِک دُوجے کا بار
پاکستان ہے دیس ہمارا ہم اِس کے معمار

قائدِ اعظم کے فرماں کی کریں گے ہم تکمیل
دُنیا مانے جِس کو وہ کردار کریں تشکیل
اِک اِک شاہیں بن جائے اقبال کا اِک شہکار
پاکستان ہے دیس ہمارا ہم اِس کے معمار

سر سیّدؔ اور حالیؔ جیسے متوالے بن جائیں
جہل کے اندھیاروں میں آؤ روشن دیپ جلائیں
تعمیری جذبوں سے وطن کو دیں زندہ کردار
پاکستان ہے وطن ہمارا ہم اِس کے معمار

مہکتے پھُول بنیں گی اِک دِن ننّھی ننّھی کلیاں
دَمکتا کُندن بن جائیں گی سونے کی یہ ڈلیاں
موتی موتی بنتا جائے جِھلمِل کرتا ہار
پاکستان ہے دیس ہمارا ہم اِس کے معمار

"ہمّت نہ ہارو"

فلک پر جگمگانے والے تارو
کبھی مُشکل میں تُم ہمّت نہ ہارو

تمہارے دَم سے ہے رونق چمن کی
تمھی سے ہے مہکِ سر و سمن کی
بہارِ گُلبدن کے مُشک بارو
کبھی مُشکل میں تُم ہمّت نہ ہارو

تمھی اِس گلستان کی آبرو ہو
وطن کی عظمتوں کی آرزو ہو
وطن کے ہونہارو جانثارو
کبھی مُشکل میں تُم ہمّت نہ ہارو

زمانے بھر کی خوشیوں کے امیں ہو
وطن کی جگمگاتی تُم جبیں ہو
بہادر سرزمیں کے شہسوارو
کبھی مُشکل میں تُم ہمّت نہ ہارو

نہ گھبراؤ مصیبت کے سفر سے
نہ موجوں سے نہ طوفانوں کے ڈر سے
چلو بڑھتے چلو اے تیز دھارو
کبھی مُشکل میں تُم ہمّت نہ ہارو

اُجالے سے اندھیرے کو مٹا دو
جلا دو پیار کی شمعیں جلا دو
بنو شعلے مِرے روشن شرارو
کبھی مُشکل میں تُم ہمّت نہ ہارو

آزادی

آنکھ جب آنسو کے بدلے خون ٹپکانے لگے
کھیل پروانوں کا تب ہر سُو نظر آنے لگے

شب کی تاریکی میں پھر بجلی کا اِک کوندا ہُوا
خون کے دھارے نئی تاریخ لِکھ جانے لگے

گونج اُٹھی للکار جب پھر ایشیا میں دوستو
غاصبوں کے محل تب یک لخت تھرّانے لگے

بن گئے دیوارِ آہن جب عدُو کے سامنے
آہنی پیکر پہاڑوں سے بھی ٹکرانے لگے

کر لیا اپنے لہُو سے جب رقم تقدیر کو
مرہمِ تدبیر سے پھر زخم بھر آنے لگے

دہر کا جب سحر ٹُوٹا شب کی طولانی کے بعد
نُور کے مینار و گنبد تب نظر آنے لگے

ایک بِکھرا خواب سِمٹا اور حقیقت بن گیا
دھُند میں لِپٹے ہیُولے روشنی لانے لگے

اپنا تو صحرا بھی نخلستان سے کُچھ کم نہیں
ریت کے ٹیلے تھے جو کُہسار کہلانے لگے

پالی آزادی بالآخر توڑ کر باطل فسوں
کہکشاں و ماہ و انجم نُور برسانے لگے

سنگِ راہ

برہَنہ سر درویش ، جنُوں میں
ننگے ننگے گیت الاپے
شہرِ سنگ بدست میں یارو
پاگل سچ کی مالا جاپے

فنکار

سچے ہیں تیرے افکار
اے میرے اچّھے فنکار

جب اَن داتا تجُھ سے رُوٹھیں
تیرے پیٹ سے نغمے پُھوٹیں
دِل ٹُوٹے تو راگ الاپے
جِن سے پتّھر کا دِل کانپے
گاتا جا دیپک ، ملہار
اے میرے اچّھے فنکار

تیشۂ فن کو اَور جِلا دے
کعبوں کی تفریق مِٹا دے
ڈھال دے ایسی موہنی صُورت
بنے جو وینس، ہیر کی صُورت
ڈھا دے مُردہ نقش و نگار
اے میرے اچھّے فنکار

اپنے لہُو سے پیڑ اُگا دے
شہروں کو گُل رنگ بنا دے
وادئ شب میں اُگیں سویرے
پَل پَل چھٹتے جائیں اندھیرے
ہر آنگن کی باغ و بہار
اے میرے اچھّے فنکار

برہنہ سر درویش جنوں میں
ننگے گیت الاپے
شہرِ سنگ بدست میں یارو
پاگل سچ کی مالا جاپے
ڈھادے راون کا سنسار
اے میرے اچّھے فنکار

فن تو عصیمؔ گداز ہے دِل کا
چشمہ چیرے سینہ سِل کا
دِن تو یہ بھی کٹ جائیں گے
اِک دن بادل چھٹ جائیں گے
سُورج کے زندہ اوتار
اے میرے اچّھے فنکار

رنگ اور انگ

شامِ الم یا شامِ مُسرّت
آج کی شام کا نام ہے کیا؟
آؤ اِس سرمئی سی سُندر،
شام کے آنچل میں چھُپ جائیں
میلی، اُجلی آنکھوں کے رنگوں کو دیکھیں
شام سویرے آتے جاتے رہتے ہیں

Rekhta

آنا جانا رِیت سہی اِس دُنیا کی۔
آنکھوں کے کیوں رنگ بدلتے رہتے ہیں؟
سوچوں کے کیوں انگ بدلتے رہتے ہیں؟
دُنیا والو، خوشیوں سے سرشار رہو۔
مہکو، چہکو، سَدا سُکھی سنسار رہو۔
رنگ اور انگ فقط وہ رکھنا
جو میراث میں پائے تُم نے
اُس ہستی سے جو خود سُکھ ہے،
اور سُکھ دیتا ہے

”کون ہے یہ؟“

ٹھہرو اور بتاؤ مُجھ کو
کون ہے یہ؟
جو دیکھ رہا ہے خوف زدہ، تصویروں کو
جکڑا ہُوا انسانوں جیسا،
ظلم کی کڑی زنجیروں میں
پتھّر دیس سے آنے والا ایک مسافر
دَرد کی دُنیاؤں کا پالا

شہرِ سنگ بدست میں حیراں
اندھیاروں کا کمبل اوڑھے
سَردسی رات میں، من کی آگ میں۔
پگھل رہا ہے، اپنے جنوں میں۔
کون ہے یہ؟
سوچوں کے بے نام جزیروں کا یہ باسی
ظلم اور استبداد کے درباروں کا داسی
ایوانوں میں اپنے لہو کا رنگ سجانے والا عاصی
صبح سے لے کر شام تلک اور،
شام سے لے کر صبح تلک یہ
بوجھل بوجھ اُٹھانے والا،
موت کو ہنس کر گلے لگانے والا،
محنت ہے، محنت کی عظمت کا رکھوالا۔
زَردسی اِن تصویروں کو
توڑ ہی دے گا
ظلمت کی زنجیروں کو

جکڑا ہوا انسانوں جیسا
مر جائے گا اپنے جنوں کو اَمر بنا کے
ویرانے صحرا کو سونا رنگ بن کے

آس

کھو گئی ہیں منزلیں، گم ہوئے ہیں راستے
تھک گئے قافلے، زندگی کے موڑ پر،
سر کو کچھ نیہوڑ کر
سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں
دِل میں ایک آس ہے
جب تلک یہ سانس ہے

دھُند لکے میں شام کے،
جیسے حُسنِ سوگوار سُرخ سے لباس میں
اپنے حنائی ہاتھ میں،
نُقرئی تھامے چراغ
مقبروں کے آس پاس
محوِ انتظار ہو

گیت

ندیا کِس نے چُرائی
دِل کے آنگن میں چُپکے چُپکے بجنے لگی شہنائی
ندیا کِس نے چُرائی

ساز ینے سے بجنے لگے ہیں
پُھول خوشی کے کِھلنے لگے ہیں
شوخ ستاروں کی نگری میں کِس نے لی انگڑائی
ندیا کِس نے چُرائی

مدُھر ملن کی آس لگائے
سپنوں کی بارات سجائے
آشاؤں کے دیپ جلائے پریت کی ریت نبھائی
نندیا کِس نے چُرائی

انتظار

شام بھیگنے لگی، درد جاگنے لگا
چشمِ منتظر سے اَشک،
دھیرے دھیرے خوف سے
لرز کر بہنے لگے
کیسا انتظار ہے؟
کِس کا انتظار ہے؟
سانس کی ڈوری تو اب
وقت کی کٹھور تا سے،

ہُوئی بے مہار ہے
زیست بے قرار ہے
گاؤں گاؤں گھوم کر
ہر جگہ پُکار کر
تھک گیا ہے ہار کر
من ہے کیسا بانورا
مقبروں کے اِرد گرد
اب بھی ہے یہ مُنتظر

یاد ہے تُجھ کو؟

یخ بستہ وہ رات اے چندا
یاد ہے تُجھ کو؟
تُو ہی تو سب دیکھ رہا تھا۔
اُجلی گلیاں، پگھلی چاندی
سنّاٹا
پھر دھیرے دھیرے، قدموں کی آہٹ کو سُن کر
پریم بھون کا، ہولے سے دروازہ کھُلا تھا
شعلہ لپکا، آگ سے لپٹا

یاد ہے تُجھ کو؟
تُو ہی تو سب دیکھ رہا تھا۔
دو دِل یکساں دھڑکے تھے
سُنسان نگر، ویران گلی میں
سَردیسی رات میں، من کی آگ میں
پیار کا کُندن دَمک رہا تھا۔
یاد ہے تُجھ کو؟
صدیوں کی پھر تیز ہوا نے
سنّاٹے کو کیسے چیرا
کیسے اُس نے پریم نگر میں
پریم کے جَل میں آگ لگا دی
پریم نگر کی سُبک خراماں، ناؤ جلا دی
یاد ہے تُجھ کو؟
تُو ہی تو سب دیکھ رہا تھا۔

گیت

مَیں پاگل پاگل متوالا

آشا کا من میں اجیالا

کس اوٹ چھُپے کِس دیس گئے

کِس کارن ہم سے رُوٹھ گئے

کیوں دُکھ کی نگری میں ساجن

سپنوں کی ٹوٹ گئی مالا۔ مَیں پاگل پاگل متوالا

گلیاں سُونی بازار اُجڑے

پگ پگ ویرانی چھائی ہے

کیوں دِل سودائی راتوں کو

اِک دیپ جلائے مٹیالا، مَیں پاگل پاگل متوالا

گیلی ریت

کتنی حسرت کتنے ارمانوں سے مَیں نے
سوچا ہے
یہ کہ تیری یاد اور تیرے نام کی خاطر
اہلِ وطن اور اہلِ وفا کے ساتھ خزاں میں
پُھول اور پتوں، بیل اور بُوٹوں سے مَیں
اُجڑا باغ سجادوں
پُرحسرت اور یاس میں ڈوبی
شاخِ گُل کو کیا سمجھاؤں

یہ
کہ ساون کی بھیگی، اور سوندھی سوندھی باس میں اپنے
بُھولنے والے میت کی سُندر یاد میں گاتے
پی کے گیت سے دِل بہلاؤ
یا پھر، ٹھنڈی چاندنی رات میں
انجانے سے دیس سے آ گے
بوڑھے سمندر سے آتی اُن مست ہَواؤں
کے جھونکوں سے دِل بہلاؤ، جو کہ
ساحل پر لیٹی خوابیدہ، گیلی ریت کی نم پلکوں سے
لے آئیں سب آنسو چُرا کر کے
تیرے مِیت کا حال سُنائیں
جو کہ بوڑھے سال سمندر کے دامن میں بسنے والی
کتنی ہی لہروں کی مانند، گیلی ریت کے سینے پر کچھ
چھوڑ کے گہرے گہرے نقشے
یوُں کھو جائیں، جیسے کہ
پہچان نہیں ہے

لیکن منوا پاگل منوا
جان سکا نہ جان سکے گا
بادِ خزاں کو
سودائی کی حسرت کیسے پنپ سکے گی

Fakhta

اَجیہا رُکھ

رات ہنیری جھکّڑ چلدا

میری ہِک سے دِیوا بلدا

کِس ونجارے نُوں راہ بھُلیا

عطر ہَواواں ساہیں گھُلیا

کیہ دُکھ میریاں ہاواں جھُلیا

نال بھلیکا جندڑی چھلدا

رات ہنیری جھکّڑ چلدا

لُک لُک تارے کی پئے تکدے
ہنجو حال وی کیوں نئیں دسدے
آساں دے دیوے نئیں بَلدے
ہڑ دا پانی کیوں نئیں ٹھَلدا
رات ہنیری جھکّڑ چلدا

میری سَدّراں دا اِک بُوٹا
پَتّر پَتّر جسدا ٹھوٹھا
وچ سنسارے ہر کوئی جھُوٹا
خیر مُراداں کوئی نہ گھلدا
رات ہنیری جھکّڑ چلدا

کوئی نہ جانے پیڑ پرائی
اپنے بن گئے اج ہرجائی
پر دِل کیوں نہ سدّھر ڈھائی
سار دیہاڑے ہرک نہ ڈھلدا
رات ہنیری جھکّڑ چلدا

ہریالی نُوں جھکّڑ ڈھاون
پتّر سارے سُک سُک جاون
سڑیاں دھُپاں تن نُوں کھاون
رُکھا جیہا وی ہے پھلدا
رات ہنیری جھکّڑ چلدا

خزان

پیڑوں سے جب کِرنیں پَھوٹیں
شاخیں، سوکھیں اور پھر ٹُوٹیں
ہریالی نے زَردی پہنی
کانٹا بن گئی ٹھہنی ٹھہنی
گُلشن پر چھائی ویرانی
خُوب ہوئی پھِر ختم کہانی

ساون

مَیں گرمی دا وا ورولا
تُو ساون دی اِک پھوار
رَل مِل باگیں پینگاں اُتے
رُت دے ساز تے گاؤ ملہار

سنگِ جاناں

شدّتِ سنگِ رقیباں میں کمی کی خاطر
آپ بھی ہاتھ بڑھا دیجئے دیوانے تک

چراغِ زیست بُجھا مختصر فسانہ ہُوا
ہَوا کا جھونکا تھا جانے کہاں رَوانہ ہُوا

دریچے جھانکنے والوں سے کوئی یہ کہہ دے
مسافروں کو سفر پر گئے زمانہ ہُوا

کِسی نے شیشۂ دِل چُور چُور کر ڈالا
یہ پتّھروں میں ٹھکانے کا شاخسانہ ہُوا

کہاں پہ ڈھونڈیں ٹھکانوں خزاں کی راتوں میں
کہ آرزؤں کا چوری کہیں خزانہ ہُوا

تمام راستوں پہ دھُند لگے سے چھائے ہیں
کوئی بتائے اُجالا کہاں رَوانہ ہُوا

جھُلستے صحرا میں ابرِ کرم کا خواب تھا کیا
جو جلتی حسرتوں کا خون وحشیانہ ہُوا

قریب رہ کے بھی وہ دِل سے دُور دُور رہے
عصیمؔ دِل کا مقدّر سیاہ خانہ ہُوا

سرِ بزم اگر وہ آئے بڑا انقلاب ہو گا
کبھی بے خودی بڑھے گی کبھی اضطراب ہو گا

جِسے دیکھنے کو ترسے جِسے ڈھونڈ ڈھونڈ ہارے
سرِ راہ مِل گیا وہ تو بڑا عذاب ہو گا

اِسی کم سِنی میں دیکھو یہ ادائے دلفریبی
کھِلا پھُول جِس چمن میں بڑا پُر شباب ہو گا

ابھی مُسکراہٹیں ہیں ابھی لب کُشائی ہو گی
اگر ایسا ہو گیا تو بڑا انقلاب ہو گا

وہ رَوِش رَوِش اُجالا وہ چمن چمن سویرا
سرِ بام آتے آتے وہ اِک آفتاب ہو گا

کِسی سرمئی غزل کا تُو وہ شعرِ جاں گُسل ہے
اُسے گنگنانے والے کو بڑا ثواب ہو گا

تُو ہے نغمۂ محبت کی صدائے دلربائی
تُو فضا میں گھُل گیا تو نشہ بے حساب ہو گا

مِرے سازِ زندگی میں ہے عصیمؔ نُورِ اُلفت
مَیں جو دِل کے تار چھیڑوں تو خجل رُباب ہو گا

سجدۂ شوق تھا پہنچے جو صنم خانے تک
ورنہ ہم رِند فقط رِند تھے میخانے تک

شوقِ دیدار مٹاتے کہ سُناتے دِل کی
ایک اُلجھن میں رہے اُن کے چلے جانے تک

شدّتِ سنگِ رقیباں میں کمی کی خاطر
آپ بھی ہاتھ بڑھا دیجئے دیوانے تک

تشنہ لب گرمیٔ حسرت میں کچھ ایسے ترسے
دَم نکل جائے گا پہنچیں گے جو پیمانے تک

زخم بھر بھر کے کئی بار کھُلے ہیں ایسے
اب کے اِک بار بھی تڑپیں گے نہ مر جانے تک

ہم چٹخ جاتے جو پتّھر کے بنائے ہوتے
پھر سے اُمیدِ کرب لائی ہے بُت خانے تک

آس جب یاس کے آنگن میں اُتر آئے عصیمؔ
آپ سے گھر بھی تو بن جاتے ہیں ویرانے تک

چُپ چاپ اُٹھ کے بزم سے وہ قصہّ خواں گئے
کیا کہہ دیا کِسی نے جو یوں مہرباں گئے

جلتے بگُولے دیکھنے میں ایسے محو تھے
صحرا میں تنہا چھوڑ کے پھر کارواں گئے

رُوٹھا کرے نہ کوئی خدارا کسی سے یُوں
تشنہ جنُونِ عشق میں کر پاسباں گئے

Rekhta

اے بادِ تُند و تیز عنایت کا شکریہ
تیرہ شبی میں روشنی کے میزباں گئے

کوئی بتائے چودھویں کے چاند کی طرح
تاروں کی انجمن کے کہاں رازداں گئے

اہلِ سُخن خلاؤں میں اَب گھورتے ہو کیا
وہ کہتے کہتے چھوڑ گئے دَاستاں گئے

حیرت میں بزمِ فکر ہے آخر یہ کیا ہُوا
دُنیائے عِلم و فن کے کہاں نکتہ داں گئے

کیوں بے قرار کر کے مجھے آج وہ عصیمؔ
اِک دِل لگی میں میکدے سے جانِ جاں گئے

حدِ نگاہ بحرِ تلاطم بصر جہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

اے چشمِ شوق اب تو دریچوں سے جھانک لے
شاید برنگِ روشنی پہنچے اثر وہاں

کلیاں چمن میں پتّیاں بنتی ہیں اِس طرح
اپنا ہو جیسے سوزشِ غم سے جگر نہاں

Rekhta

ہر آرزو فریب کے دھوکے میں جل گئی
مِلتے رہے سُراب ہی پہنچی نظر جہاں

اے موجِ دِلربا ہمیں کُچھ سوچنے تو دے
دِل ٹوٹ کر شریکِ غزل ہے مگر کہاں

اپنے ہی نام دھر لئے، منسوب کر لئے
سب حادثے جو بن گئے تازہ خبر وہاں

بادِ صبا کی موج رُکے گی جہاں عصیمؔ
اپنی حیاتِ رفتہ کا ہو گا اثر وہاں

بُلا لیا بھی کسی نے اگر تو جا نہ سکے
جو فاصلے تھے مقدّر کے وہ مٹا نہ سکے

تمام عُمر سرِ دشتِ جُستجو گذری
سُراغِ نقشِ کفِ پا بھی اُن کا پا نہ سکے

وہ بے نقاب سرِ بزمِ ناز تھے لیکن
نقابِ حُسنِ ادب تھا کہ ہم اُٹھا نہ سکے

دِل و نگاہ پہ پہرے بٹھا دیئے ہم نے
کہ تیرے بعد کوئی دوسرا درا نہ سکے

تمہاری یاد سے ہے شہرِ آرزو روشن
حوادثِ غمِ دوراں اُسے بُجھا نہ سکے

ہاں ایک بھُول ہوئی تھی وہ یاد ہے اب تک
وہ بھُول بھی کیا تھی جسے بھُلا نہ سکے

کُچھ احتیاطِ زمانہ کُچھ احترامِ وفا
بچھڑ کے رو نہ سکے مِل کے مُسکرا نہ سکے

لگی جو دِل کی تو پھر دِل گی کو بھُول گئے
خود ایسی آگ لگا لی کہ پھر بُجھا نہ سکے

نجانے تیرے شکستہ دِلوں پہ کیا گُذری
جو تیرے شہر سے نِکلے پلٹ کے آ نہ سکے

بِکھر کے صُورتِ شبنم کیا چمن سیراب
یہ اَور بات کہ ہم اَبر بن کے چھا نہ سکے

اُڑے گی خاک سرِ راہِ آرزو اپنی
مسافتوں کا اگر بوجھ ہم اُٹھا نہ سکے

وہ راز راز ہی کیا جو کھُلے زمانے پر
وہ دَرد دَرد ہی کیا دِل میں جو سما نہ سکے

جلا کے ہم سے اسیروں کی جھونپڑی کو عصیمؔ
وہ پھر چراغِ محبت کبھی جلا نہ سکے

پائی ہے وہ نظر جو غلط آشنا نہیں
میری نظر میں تجھ سا کوئی دوسرا نہیں

ہم کو فریبِ مرہمِ وعدہ نہ دیجئے
زخمِ فراق ہے کہ ابھی تک بھرا نہیں

بارش میں ساری رات کوئی بھیگتا رہا
پھر بھی غبارِ چشمِ تمنّا چھٹا نہیں

محفل سے اُٹھ کے آج وہ ایسے چلا گیا
جیسے کِسی سے اُس کا کوئی واسطہ نہیں

گذری ہے ایک عمر یونہی اضطراب میں
اور وجۂ اضطراب کوئی پوچھتا نہیں

چارہ گروں کے بس میں کہاں ہے مِرا علاج
مَیں وہ مریضِ عشق ہوں جس کی دَوا نہیں

وہ پَھول کیا جو دعوتِ ذوقِ نظر نہ دے
وہ دِل ہی کیا جو مظہرِ بُوئے وفا نہیں

تھا رات کی قبا میں جو اِک روشنی کا پَھول
آنگن میں اپنے دِل کے ابھی تک کِھلا نہیں

کب سے سسک رہا ہوں سرِ راہ اے عصیمؔ
مَیں جِس کا منتظر ہوں اُسے کچھ پتہ نہیں

ہو احتسابِ سوزِ دروں کچھ عجب نہیں
دِل کا گداز دِل کے سکُوں کا سبب نہیں

اب میکدے میں پھر سے چراغاں کریں گے ہم
اِس دھُندلے شہر میں کوئی سوز و کرب نہیں

اِک سانولی سی شام کے آنچل کی آگ سے
دُودِ چراغِ دِل بھی فزوں آج شب نہیں

مستی میں دِل جلا کے وفا ڈھونڈنے چلے
تیرہ شبی میں اپنا جنوں بے سبب نہیں

خواہش ہے ہر سکون کی وادی کو توڑ دوں
پر دِل میں آندھیوں کے فسُوں مضطرب نہیں

دیتے ہیں ٹھنڈی چھاؤں سبھی پیڑ دھوپ میں
زردی زمین کی بھی مگر بے سبب نہیں

ہم زخم اُن کو اپنے دِکھاتے رہے عصیمؔ
محسوس جن کو ہمسفروں کا قُرب نہیں

شمعِ ہجراں تڑپ کے تھرائی
صُبح کیا کیا نہ بے کلی لائی
آ بھی جاؤ لپٹ کے مر جائیں
موت ہی میں ہے اِک شکیبائی

مَر کے جس نے بھی زندگی پائی
زندگی اُس نے ہی بھَلی پائی

مضطرب ہی رہُوں سَدا چاہوں
لُطف کیا تیری بے رُخی لائی

رات بھیگی اور انتظار بڑھا
صبح کیا کیا نہ بے کلی لائی

آؤ ساجن لپٹ کے مر جائیں
موت ہی میں ہے اب شکیبائی

رُخ سے اب تو نقاب اُٹھا دیجیۓ
دیکھیۓ ، دیکھنے چاندنی آئی

سارے آداب ہم سے چھُوٹ گئے
مے کدے میں جو تشنگی لائی

آرزوئیں عصیمؔ جلنے لگیں
کیا چراغوں نے روشنی پائی

چِڑتے ہیں وہ بھی ذِکر سے دَیروں کے آجکل
سُنتے ہیں سُر بکھر گئے بھیروں کے آجکل

جانے ہمارے شہر کے سائے کِدھر گئے
جلنے لگے ہیں زخم بھی پیَروں کے آجکل

بُلبل اَدائے گُل کو کرے کِس طرف تلاش
گُلشن میں راج ہوتے ہیں بیَروں کے آجکل

کیسے تمہاری چشمِ کرم کا یقین ہو
تُم کھیلتے ہو ہاتھ میں غیروں کے آجکل

بزمِ عؔصیم بھی نہ ہو مستانہ وار کیوں
گُلشن میں نعرے خاص ہیں خیروں کے آجکل

گو گھڑی یہ کٹھن گذاری ہے
دِل کی بازی مگر ہماری ہے

وقت ہے وقت ، کٹ ہی جائے گا
قافلوں کا سفر تو جاری ہے

موت کا ہاتھ کتنا ظالم ہے
زندگی پر جمود طاری ہے

زخمِ دِل خودبخُود ہی بولیں گے
اب ہمارے جنوں کی باری ہے

خیر ہو تیرے آسمانوں کی
زندگی زندگی پہ بھاری ہے

اہتمامِ سحرِ جنوں تو نہیں
روشنی تیرگی پہ بھاری ہے

اے عصیمؔ احتیاط غنچوں سے
صحنِ گُلشن میں سنگباری ہے

وائے حسرت کہ چمکتا ہوا سورج ڈوبے
پسِ زنداں بھی کوئی چاند سا سورج ڈوبے

کیسا منظر ہے کہ بادل میں سمندر ڈوبے
دور افق پر کوئی بھٹکا ہوا سورج ڈوبے

آسماں شام کے منظر میں ہوا بادہ کش
تیری آنکھوں میں بہکتا ہوا سورج ڈوبے

دل وحشت تیری باتوں میں کوئی ربط نہیں
اک بھنور سے بھی ابھرتا ہوا سورج ڈوبے

موج دل تیرے صحیفے میں ہیں اوراق بہت
دور ساحل پہ بھی لکھا ہوا سورج ڈوبے

گھنٹیاں دل میں بجیں یا کہیں معبد کا گجر
سجدہ گہ خاک میں چڑھتا ہوا سورج ڈوبے

آنکھ میں قطرۂ خوں کی وجہ اب ڈھونڈ عصیمؔ
بحر خونخوار میں معصوم سا سورج ڈوبے

ندی ہے سُوکھی بھرے پیار سے گگر کوئی
دکھا دے پھر سے مرے درد کا نگر کوئی

خموشی چھا گئی ، سنّاٹا لے گیا سبقت
سُنی نہ چاپ نہ آواز در بدر کوئی

مری وفا ہی نہ تیری وفا کا مول ہوئی
جلائے پھر سے بُجھی آگ کا جگر کوئی

سُنا ہواؤں کو قصّے غمِ زمانہ کے
سفر میں تیرا نہیں ہم سفر اگر کوئی

ملال اور ندامت ہے تیرا سرمایہ
رہا عصیمؔ نہ اِس جا ترا اگر کوئی

اجنبی بنے رہیں
اور مَست دَم رہیں
خُون گرم رہتا ہے
دھوپ کو ہنس کر سہیں

تیرے خیال کو خُود ہی بھُلا لیا مَیں نے
کہ بے خُودی میں نشیمن جلا لیا مَیں نے
نشاطِ آرزُو سے ہو کے خُود تہی دَاماں
غمِ حیات سے پہلُو بچا لیا مَیں نے

گُستاخیٔ نگاہ نے کیا کیا غضب کئے
رُخصت ہوئی جو انجمن اِک اجنبی کے ساتھ
نسبت تو ہو گی گرچہ جبیں پُر شکن سہی
سہہ جائیں کیوں نہ تیغِ ستم دلجمعی کے ساتھ

❋

چشمِ غرقِ فسُوں مہر کا شکریہ
ڈوبتے جا رہے ہیں بھرے بحر میں
حالِ دِل کر کے ہم رقم دیوار پر
بن گئے ہیں تماشا تیرے شہر میں

❋

Faknia

اپنے احوال کتنے خستہ ہیں
بال و پَر ہیں مگر شکستہ ہیں
دِل جلاتے ہیں خاک کی حد تک
کِس قدر کام اُن کے شُستہ ہیں

ونسینٹ پیس عصیمؔ صلیبی

(پروفیسر،شاعر،ادیب)

"سرِ شہرِ سنگ بدست"
چار پتھروں پر کندہ منظوم عبارتیں

1. **"سنگِ حیات"** — تذکرۂ خالق زمان و مکان
2. **"سنگِ تعمیر"** — تذکرۂ وطن و طنیت
3. **"سنگِ راہ"** — تذکرۂ رنگ و ترنگ (حصہ نظم)
4. **"سنگِ جاناں"** — تذکرۂ گل و بلبل (حصہ غزل)

جیسے موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

فاختہ ای پبلیکیشنز
کراچی، پاکستان
HTTPS://FAKHTA.ORG/